عقلِ وجدانی کی نارسائی

پروفیسر سید محمد سلیم صاحب

بعض لوگ اس غلط فہمی میں مبتلا ہیں کہ عقلِ وجدانی حقیقتِ کبریٰ تک رسائی حاصل کر سکتی ہے۔ اس لیے اس مسئلہ کا بہ نظرِ عمیق مطالعہ کرنا ضروری ہے۔ یہ بات طے کرنا ضروری ہے کہ کیا عقلِ وجدانی بھی عقلِ استدلالی کی طرح خود مکتفی ہے۔ اور حقیقت رس ہے۔ اس سوال کی اہمیت بہت زیادہ ہے۔ مذاہب عالم کی تاریخ بتاتی ہے کہ اس غلط فہمی نے بہت بڑا بگاڑ پیدا کیا ہے۔ اور یہ بگاڑ صدیوں پر پھیلا ہوا ہے۔

بلاشبہ یہ بات درست ہے کہ حاسۂ مذہبی انسان کی فطرت میں ودیعت کردہ ایک جذبہ ہے، اور یہ اسی جذبہ کی اثر آفرینی ہے کہ انسان حق کا متلاشی ہوتا ہے۔ یہ بات حق ہے، لیکن حاسہ، جذبہ یا طلب کا موجود ہونا اور بات ہے، اور محض اس کے بل پر منزلِ مقصود اور منزلِ مراد تک پہنچ جانا اور بات ہے۔ اس موقعہ پر عقلِ تجزیاتی سے استدلال کرنا بھی درست نہیں ہے۔ یہ گمان کرنا درست نہیں ہے کہ جس طرح "علم الاسماء" کی تخم ریزی سے عقلِ تجزیاتی اور عقلِ استدلالی نے اس قدر ترقی کر لی اور مادی دنیا کی تسخیر میں خاطر خواہ کامیابی حاصل کر لی، اسی طرح "اَلَسْتُ بِرَبِّکُمْ" کی تخم ریزی سے عقلِ وجدانی بھی ترقی کرے اور حقیقتِ کبریٰ تک رسائی حاصل کرے اور عرفان حاصل کرے۔ بات یہ ہے کہ عقلِ استدلالی کے لیے روزِ ازل ہی میدان مفتوح کر دیا گیا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا تھا۔ "زمین اور آسمان کی ساری چیزوں کو تمہارے لیے مسخر کر دیا ہے"۔ (جاثیہ - ۱۳) - یہ آیت عقلِ استدلالی کی فتوحات

کے لیے منشورِ الٰہی کا حکم رکھتی ہے۔ یہ آیت بتاتی ہے کہ بالقوۃ تمام اشیاء کو انسانوں کے لیے مسخر کر دیا گیا ہے۔ اب ان کو بالفعل تسخیر کرنا باقی ہے۔ یہ کام عقلِ انسانی مشیتِ ایزدی کے تحت ایک خاص نہج اور تدریج کے ساتھ مسلسل کرتی رہتی ہے۔

مگر عقلِ وجدانی کے حق میں اللہ تعالیٰ نے ایسا کوئی منشور نہیں دیا ہے، بلکہ اس کے برعکس عقلِ وجدانی کی محدودیت کا کھلے الفاظ میں اعلان فرما دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

"روح عالمِ امر سے متعلق ہے اور اس کا علم تم کو بہت کم دیا گیا ہے"۔

(بنی اسرائیل - ۸۵)

اِس آیت نے بات صاف کر دی ہے۔ عقلِ استدلالی ہو یا عقلِ وجدانی دونوں کی رسائی عالمِ روحانیت میں بہت کم ہے۔ کشف ہو یا اشراق، حقیقتِ کبریٰ تک اُن کی رسائی نہیں ہے۔ حقیقتِ کبریٰ لامتناہی ہے اور مطلق ہے۔ انسان مقید ہے، فانی ہے۔ اور اُس کی عقل تجزیاتی ہے۔ مقید کیسے مطلق کو اپنے احاطۂ علم میں لا سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں فرماتا ہے:

"اس کے (اللہ کے) علم کو انسان اپنے احاطۂ علم میں نہیں لا سکتا۔ مگر یہ کہ خود اللہ تعالیٰ ہی اپنا فضل فرما دے"۔ (بقرہ - ۲۵۵)

نہ پہنچی وہاں تک خرد کی کمند

بہت اُونچی ہے ان کی بامِ بلند

جس قدر علمِ غیب کی ضرورت انسان کو اپنی دُنیاوی زندگی بحسن و خوبی بسر کرنے کے لیے ہے، اس کو ایک دوسرے طریقہ سے اللہ تعالیٰ نے انسان کو عطا کر دیا ہے۔ وہ علم انبیاء کرام کے ذریعے وحی الٰہی کی صورت میں انسانوں کو دے دیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے، "وہ (اللہ) غیب کا عالم ہے۔ وہ اپنا غیب کسی پر ظاہر نہیں کرتا، مگر رسولوں میں سے جس کو وہ پسند کر لیتا ہے (اس پر ظاہر کر دیتا ہے)"۔ (جن - ۲۶ - ۲۷)۔ دُنیا میں نزولِ آدم کے وقت اللہ تعالیٰ نے آدم کو بتا دیا تھا کہ بے شک انسانوں کو راہِ ہدایت دکھانا ہماری ذمہ داری ہے"۔ (لیل - ۱۲)

دوسری جگہ زیادہ وضاحت سے فرمایا۔ "میرے پاس سے جو کوئی ہدایت تمہارے پاس پہنچے (بذریعہ رسول) پھر جو لوگ اس ہدایت کی پیروی کریں گے، اُن کے لیے کسی قسم کے رنج اور خوف

کا موقع نہیں ہے۔ (البقرہ ۳۸)۔ ان آیاتِ مبارکہ نے کسی شک و التباس کے بغیر یہ بات واضح کر دی ہے کہ عرفانِ حقیقت کا جس قدر علم دینی اور اخلاقی زندگی بسر کرنے کے لیے ضروری ہے، اُس قدر علم اللہ تعالیٰ نے اپنے نبیوں اور رسولوں کے ذریعے مختلف زمانوں اور مختلف مکانوں میں نوعِ انسانی کو مہیا فرما دیا ہے تاکہ کسی دَور کے انسان کو گمراہی میں بھٹکنے کا عذر باقی نہ رہے۔ اس علم کی ضرورت اور اہمیت کا اندازہ حضرت عیسٰی علیہ السلام کے اس قول سے ہوتا ہے "کہ انسان صرف روٹی سے زندہ نہیں رہتا، بلکہ اس کلمہ سے زندہ رہتا ہے جو خداوند کریم سے اس کو ملتا ہے"۔ اب انسانوں کی سعادت اس میں ہے کہ وہ نبیوں اور رسولوں کی لائی ہوئی تعلیمات کو مضبوطی سے تھام لیں۔ اس پر کاربند رہیں۔ اس میں کمی بیشی نہ کریں۔ انسان کی عقلِ وجدانی کو انبیاء کرام کی تعلیمات کی روشنی میں اپنی سرگرمی جاری رکھنا چاہیے اور کسی صورت میں اس سے بے نیازی اختیار نہیں کرنا چاہیے۔

بعض حکما اور مذہبی پیشواؤں نے وحیِ الٰہی سے بے نیاز ہو کر عقلِ استدلالی یا عقلِ وجدانی کے بل پر روحانیت کا سفر اختیار کیا، اُن سب نے ٹھوکریں کھائیں۔ خود بھی گمراہ ہوئے اور دوسری مخلوقِ خدا کو بھی گمراہی کی راہوں میں دھکیل دیا۔ یہ بات عمرانیات کے ہر طالب پر واضح ہے کہ عقلِ استدلالی صدیوں تک اوہام و خرافات کی بھول بھلیوں میں بھٹکتی پھری ہے اور یہ کہ عقلِ وجدانی نے ہر شجر اور حجر کو الوہیت کے استھان پر بٹھا کر صدیوں اس کی پرستش کی ہے۔ اس کے سامنے جبہ سائی کی ہے۔ شرک و بت پرستی کی وہ کون سی قسم ہے جو کسی نہ کسی انسانی معاشرہ نے اختیار نہ کی ہو اور اس طرح اشرف المخلوقات، خلیفۃ اللہ فی الارض حضرت انسان کی تحقیر اور تذلیل نہ کی ہو۔

عرفانِ حقیقت کا صحیح صحیح ادراک کر لینا تو بہت بڑی بات ہے، انبیاء کرام کی بتائی ہوئی حقیقتوں کو صحیح طور پر سمجھ لینا، اور راہ ہدایت پر راست روی کے ساتھ چلنا بھی عقلِ انسانی کے لیے دشوار گزار مرحلہ رہا ہے۔ جب کہیں اور جہاں کہیں عقلِ انسانی کو آزادروی کا موقع ملا ہے تو راہِ مستقیم پر چلنے کے بجائے عموماً وہ پگڈنڈیوں میں گھس جاتی ہے۔ راہ گذر میں چلتے چلتے وہ راہ حق سے دُور بھٹک جاتی ہے۔ جب بھی عقل کا دستِ تصرف دراز ہوا، اس نے حکّ و اضافہ

کمی وبیشی کی جدت طرازیوں کی، نیرنگی اور بوقلمونی کا وہ چمن آراستہ کیا کہ مردِ حقیقت شناس اس جعلی چمنستان کو دیکھ کر دنگ رہ جاتا ہے۔ اِن دست درازیوں نے انبیاء کرام کی تعلیمات کی صورت مسخ کر دی، حلیہ بگاڑ ڈالا، حتیٰ کہ محققین و راسخین کو خرافات کے اس مجموعے میں سے اصل حقیقت کا سراغ لگانا دشوار ہو گیا۔ مقصود کی وضاحت کے لیے ذیل میں چند مثالیں پیش کرنا بے محل نہیں ہوگا۔

ہندوستان کے مذہبی رہنماؤں (رشی منی) نے تعلیم دی تھی کہ عبادتِ الٰہی کے لیے ضروری ہے کہ دل خدا کی طرف متوجہ ہو[1] اور یک سو ہو۔ یہ بات صحیح ہے۔ اس پر ہندوستان کے حکماء نے مزید اضافہ کیا کہ بے چون وچگون خدا وند تعالیٰ کا ذہن میں تصور کرنا کہ لینا عوام الناس کے لیے سخت دشوار ہے، اس لیے کہ:

ع "خوگرِ پیکر محسوس ہے انساں کی نظر"

اب دل کو متوجہ کرنے کے لیے اور نگاہوں کو مرتکز کرنے کے لیے یہ تجویز مناسب ہے کہ ظاہری مادی پیکر کو مدِ نظر رکھنا چاہیے۔ حکماء نے یہ اجازت دے دی۔ بس پھر کیا تھا، ہندوؤں نے شجر و حجر کی وہ پرستش کی کہ الامان والحفیظ۔ بدھ مت کے ابتدائی دور میں مہاتما بدھ کا دانت یا ہڈی یا بال نگاہوں کا ہدف ہوتا تھا۔ اس پر توجہ مرکوز کی جاتی تھی۔ تاریخی اعتبار سے یونانیوں نے سکندر کے اخلاف نے بت تراشی کا فن ہندوستان میں رائج کیا۔ جب انہوں نے بدھ مذہب قبول کر لیا تو بدھ کی مجسمہ سازی کی۔ اور بڑے اعلیٰ پیمانے پر کی۔ ہندوستان اور سارے وسط ایشیا کو بدھ کے مجسموں سے بھر دیا۔ فارسی لفظ "بت" "بدھ" سے ماخوذ ہے۔

بت پرستی کی یہی وہ توجیہہ ہے جو غزنوی دور میں ابو ریحان البیرونی نے بیان کی ہے، پھر اکبری دور میں علامہ ابوالفضل نے بیان کی ہے اور زمانۂ حال کے ہندو فلسفی را دھا کرشنن نے بیان کی ہے۔ اگر یہ توجیہہ درست ہے تو غور کیجیے کہ آغاز کیا تھا اور انجام کہاں پہنچا۔ عقلِ

---

[1] حضور اکرمؐ کی بھی حدیث ہے کہ حضورِ قلب کے بغیر نماز نہیں ہوتی، مگر اسلام نے اس معیار کو اعلیٰ مطلوب تو ضرور قرار دیا ہے، فرض قرار نہیں دیا۔

استدلالی نے کیا گل کھلائے ہیں۔

بدھ مت کے رہنماؤں نے تعلیم دی کہ اللہ تعالیٰ کا زیادہ سے زیادہ ذکر کرنا ضروری ہے[1]۔ یہ بات حق ہے۔ بدھ مذہب کے حکماء نے ذکر کرنے کی عملی شکل یہ اختیار کی کہ سو دانوں کی ایک مالا تیار کی۔ تسبیح کی ایجاد بدھوں کے ہاتھوں ہندوستان میں عمل میں آئی ہے۔ دوسرے مذاہب والوں نے تسبیح بدھوں سے اخذ کی ہے۔ فتح ایران و افغانستان اور سندھ کے بعد تیسری صدی ہجری میں تسبیح کا رواج عالم اسلام میں ہوا ہے۔ صلیبی جنگوں میں مسیحی راہنماؤں نے مسلمانوں سے تسبیح کا طریقہ اختیار کر کے سارے یورپ میں پھیلا دیا۔ بدھ حکماء نے ذکر کرنے کے طریقے میں پھر مزید جدت اور اختراع سے کام لیا۔ انہوں نے ایک پہیہ یا چرخی بنائی جس پر سو چھوٹے چھوٹے تختے لگا دیے اور ہر تختے پر اللہ تعالیٰ کا نام لکھ دیا۔ جب پہیہ ایک چکر گھوم جاتا تو گویا سو دانوں کی تسبیح پوری پڑھ لی جاتی۔ اور ذکر کا وظیفہ پورا ہو جاتا۔ پھر مزید اختصار سے کام لیا گیا اور اس کے لیے چھوٹی چھوٹی چرخیاں بنائی گئیں۔ اشتراکی انقلاب سے قبل تبت میں مذہبی لوگوں کے ہاتھوں میں چھوٹی چھوٹی چرخیاں ہوتی تھیں۔ جن کو وہ ہر وقت گھماتے رہتے تھے، بات چیت بھی کرتے رہتے تھے اور ذکر اللہ بھی جاری رہتا تھا۔ اب ذرا سوچیے، دل کی توجہ سے اللہ تعالیٰ کو یاد کرنے کا حکم کہاں اور مشینی انداز میں چرخی گھمانا کہاں۔ عقلِ استدلالی نے بات کہاں سے کہاں پہنچا دی۔

مذکورہ بالا مثالیں عبادات کے باب میں عقلِ استدلالی کی دخل اندازیوں کی تھیں۔ عقائد کے باب میں گمراہی کی واضح مثال کُردوں کا یزیدی فرقہ ہے۔ عراق اور ایران میں جب آلِ بویہ کو اقتدار حاصل ہوگیا تو پھر ان علاقوں میں شیعیت کو فروغ حاصل ہوگیا۔ شیعوں کے نزدیک یزید بن معاویہ مبغوض ترین اور کافر ترین فرد تھا۔ اس غلو اور تشدد کے خلاف عدی بن مسافر نے وعظ و تبلیغ کی۔ انہوں نے غلو سے روکا اور راہ اعتدال اختیار کرنے کی تلقین کی۔ وہ شیخ عبدالقادر جیلانی

---

[1] ذکر کا حکم قرآن میں بھی دیا گیا ہے۔ "یہ اللہ کا ذکر ہے جس سے دلوں کو سکون حاصل ہوتا ہے"۔

رحمۃ اللہ علیہ کے خلیفہ تھے۔ عالم باعمل اور متقی انسان تھے۔ (منہاج السنہ۔ امام ابن تیمیہؒ) بعد میں آنے والوں نے اس پر اضافے کیے۔ پہلے اعتدال پسندی کو پسندیدگی میں تبدیل کر دیا۔ پھر پسندیدگی نے محبوبیت اور مطلوبیت کا رنگ اختیار کر لیا۔ اور آج گردوں کا یزیدی فرقہ یزید کی پرستش کرتا ہے۔ عقلِ استدلالی کو دراندازی کا موقع ملا تو اُس نے یہ کرشمہ سازیاں دکھائیں۔ مسخ اور انحراف کی ایسی کتنی صورتیں ہیں جو ہمارے معاشرے میں رائج ہیں، جنہوں نے تقدس کا چولا پہن رکھا ہے۔ حالانکہ وہ سب گمراہی کی مختلف صورتیں ہیں جو دینِ مبین کے اندر بدعتوں نے داخل کر دی ہیں۔

عرفانِ حقیقت کی راہ میں عقلِ وجدانی کی گمراہیاں بھی کچھ کم نہیں ہیں۔ ادعا خواہ کچھ بھی ہو، حقیقت یہ ہے کہ حقیقتِ کبریٰ کے انکشاف اور ادراک کے لیے کشف واشراق بھی کوئی مستند ذریعہ نہیں ہے۔ کشف واشراق کی غلط بینی اور غلط کاری سے تصوف کی تاریخ بھری پڑی ہے۔ اس راہ سے بہت سی گمراہیوں نے جنم پایا ہے جو آج ہمارے معاشرے میں جڑ پکڑ چکی ہیں۔ توضیح مقاصد کے لیے یہاں دو ایک مثالیں پیش کی جاتی ہیں۔

ایک بہت بڑے صوفی شیخ اکبر نے فتوحاتِ مکیہ میں اپنے مکاشفات درج کیے ہیں۔ اس میں لکھا ہے کہ حالتِ کشف میں انہوں نے عقولِ عشرہ (TEN CATAGORIES OF LOGIC) سے ملاقات کی ہے۔ واضح رہے کہ عقولِ عشرہ منطق کی اصطلاح ہے جو اہلِ یونان کی اختراع کردہ ہے۔ کم، کیف، متی، اَین وغیرہ منطقیوں کی اصطلاح میں عقولِ عشرہ کہلاتی ہے، جن سے مفہوم اور منطوق کا تعین کیا جاتا ہے۔ نہ یہ کوئی ذی رُوح ہستی ہے، نہ ان کا مرئی وجود ہے، جن سے ملاقات ہو سکے۔

قدیم بابلی اور یہودی روایات میں زُہرہ ایک عورت تھی جو آسمان پر چلی گئی اور وہاں زہرہ ستارہ بن گئی۔ ایک کشف میں شیخ اکبر نے زہرہ سے ملاقات کی ہے بلکہ مقاربت کی ہے۔ حالانکہ آج یہ بات سب کو معلوم ہے کہ زہرہ بھی ایک ایسا ہی سیارہ ہے جیسا کہ زمین ہے یا جیسا کہ مریخ ہے۔ وہ کوئی عورت نہیں ہے۔ ان مکاشفات سے ذہن اس طرف منتقل ہوتا ہے کہ کشف واشراق میں بھی ماحول کی روایات عکس ریز ہوتی ہیں۔ مکاشفہ میں انسان اپنے فکری ماحول

اور مبلغ علم کے دائرہ ہی میں پرواز کرتا ہے۔ بہرحال کشف و اشراق عرفانِ حقیقت کا کوئی مستند ذریعہ علم نہیں ہے۔

یہی باعث ہے کہ پاک و ہندوستان کے جلیل القدر شیخِ طریقت حضرت مجدد الف ثانی سرہندی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے "برکشف کفش باید زد" (مکتوبات)۔ یعنی کشف پر جوتا مارنا چاہیے۔ اس کو رد کر دینا چاہیے۔ شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے بھی کشف کو ناقابلِ اعتبار قرار دیا ہے۔ (مَرَج البحرین)۔ حق بات یہ ہے کہ عرفانِ حقیقت اور تقرب الٰہی کا سفر صرف وحی الٰہی کی رہنمائی میں اور صرف انبیاء کرام کی رہبری میں طے ہو سکتا ہے۔ دوسرا ہر طریقہ گمراہی پر منتج ہوتا ہے ؎

خلافِ پیمبر کسے رہ گزید
کہ ہرگز بمنزل نہ خواہد رسید

ورنہ جہاں کہیں موقع ملتا ہے آرزو عقلِ استدلالی کے نام سے تخیل آرائی کی بزم آراستہ کر لیتی ہے۔ ع

ہوس چھپ چھپ کے سینوں میں بنا لیتی ہے تصویریں

ان گمراہیوں کی تاریخ سامنے ہو تو شارع اسلام کا یہ فیصلہ آسانی سے سمجھ میں آجاتا ہے کہ عقائد کے لیے اور عبادات کے لیے نص صریح (صاف حکم) از قرآن و سنت درکار ہے۔ استنباط، استدلال اور قیاس کی عقائد اور عبادات کے باب میں کوئی گنجائش نہیں ہے۔ یہاں تو صرف ایک ہی اصل اصول ہے کہ جو کچھ شارع علیہ السلام سے منقول ہے بس وہ حق ہے۔ اپنی طرف سے کمی بیشی یا اضافہ کرنے کا کسی کو حق نہیں ہے۔ انسان کی عملی زندگی میں تغیر و تبدل واقع ہوتا رہتا ہے۔ اس لیے وہاں قیاس اور استنباط کی ضرورت ہے۔ عقائد اور عبادات کے طریقے دائمی ہیں۔ وہاں تغیر راہ نہیں پا سکتا۔ وہاں قیاس آرائی کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔